

## مرثیہ

در حال حضرت قاسم ابن حسن علیہما السلام (بند ۲۱۰)

دعبل ہند نواب مولانا سید فرزند حسین نقوی ذخر اجتہادی

(۱)

جب بار لائی شاخ دل آرزو مری  
پھیلی گل مراد سے ہر سمت بو مری  
ہے اوس کے گھر سے سوا آبرو مری  
مرغانِ باغ کیوں نہ سین گفتگو مری  
نالوں میں دل نے یوں اثر درد بھر دیا  
بلبل کو زمزموں نے مرے بند کر دیا

(۲)

کیا عندلیبِ باغ بھلا ہوگی نغمہ زن  
آباد میرے دم سے ہیں دنیا کے سب چمن  
میری نسیم آہ سے کھلتا ہے یاسمن  
اشکوں سے میرے پھولوں کے بھگے ہیں پیرہن  
نالوں سے بلبلیں ہیں نخل منفعل کی طرح  
ہنتے ہیں پھول روز مرے زخمِ دل کی طرح

(۳)

یہ سیل آنسوؤں کی ہے نہر چمن نہیں  
انگورِ زخمِ قلب ہیں یہ یاسمن نہیں  
اشکوں کے قطرے اوس کے دُرِ عدن نہیں  
خم شاخِ نخل دل ہے یہ تازہ دہن نہیں  
ملتی ہے زخمِ قلب سے سرخی گلاب کی  
حاجت مرے گلوں کو نہیں ہے حجاب کی

(۴)

پھیلی ہوئی تمام جہاں میں ہے ان کی بو  
دوشِ نسیمِ باغ پہ پھرتی ہے چار سو  
ہر پھول کو پسند ہے آزادی کی خو  
رگ رگ میں دوڑتا ہے مرے قلب کا لہو  
شرکت جگر کے خون کی بے اشتباہ ہے  
گلشن میں سرخی گل لالہ گواہ ہے

(۵)

شرکت سے مرے خوں کی دکھتا ہے لالہ زار  
ہے نور کا تنق مرے گلزار کا غبار  
میرے سبب سے ہے چمنِ نظم کی بہار  
مرغانِ باغ میں مرے نغموں کی ہے پکار  
ان چچھوں نے رنگ اڑایا ہے کیا مرا  
بھرتے ہیں طائرانِ چمن زمزمہ مرا

(۶)

نغموں نے مست کر دیا وقتِ سحر مجھے  
دکھلا رہا ہے زمزمہ میرا اثر مجھے  
گلشن کی ہے صفائی جو مدِ نظر مجھے  
اشکوں کا پانی دے رہی ہے چشمِ تر مجھے  
ہے زور آنسوؤں میں دم فکر اس طرح  
منع سے اپنی جائے کبھی سیل جس طرح

(۷)

ہے آنسوؤں سے خاک نشیں اس جگہ غبار  
شبِ نیم کی طرح ہیں جو درِ اشکِ آبدار  
دامن بڑھا کے لیتا ہے ہر پھول بار بار  
ہیں پاک و صاف باغِ مضامین کے برگ و بار  
شبِ نیم کی طرح ہم جو سرِ شب سے روئیں ہیں  
پتے نہالِ فکر کے اشکوں نے دھوئیں ہیں

(۸)

پھیلا ہے میرے نغمہٴ دلکش کا یہ اثر  
ہیں محو سیکھ سیکھ کے شاخوں پہ جانور  
دھویا ہوا جو صحنِ چمن سب ہے سر بسر  
اک چاندنی سی رات کو آ جاتی ہے نظر  
زائل جو دیکھتا ہے یہ رنگِ سیاہ کو  
دھوکا ہے اپنے عکس کا گلشن میں ماہ کو

(۹)

گلشن میں ٹھنڈی سانسوں سے ہر شے ہے باغِ باغ  
ہیں اس چمن میں پھولِ عنادل کے دل کے داغ  
ہر گل کا اونچی شاخ پہ ہے تا فلک دماغ  
جلتے ہیں زخمِ قلب کے اس باغ میں چراغ  
یاں کون پوچھتا ہے سیاہی کی بات کو  
ملتی نہیں جگہ کسی گوشے میں رات کو

(۱۰)

ہوں کیوں نہ اس چمن سے مرے دل کو الفتیں  
ہیں ایک طرح پر گل و بلبل کی صحبتیں  
دکھلا رہا ہے صانعِ قدرت کی صنعتیں  
زائل کئے ہوئے ہے یہ راتوں کی ظلمتیں  
تابندگی سدا ہے مرے دل کے داغ کی  
رہتی ہے ایک طرح ضیا اس چراغ کی

(۱۱)

بجھنے کا اس کو ڈر ہے نہ جلنے کی ہے ہوس  
صرصر سے بھی نہ گل ہو بھرے لاکھ اگر نفس  
بلبل مرے چمن کی نہیں قیدیِ قفس  
صیاد کی ہوئی ہی نہیں اس پہ دسترس  
کب یہ چمن میں مائلِ فریاد ہی رہی  
تکلیفِ قیدِ دام سے آزاد ہی رہی

(۱۲)

دیتی ہے لطف آنکھ کو شادابی چمن  
پتے وہ سبز پھول کے، وہ صاف پیرہن  
وہ سادگی وضعِ گلِ نرگس و سمن  
وہ ٹیڑھی ٹیڑھی سر پہ کلاہیں وہ بانگین  
بے خوف پھول ہیں دلِ آزاد کی طرح  
گلزار میں اکڑتے ہیں شمشاد کی طرح

(۱۳)

اک جا لہک رہا ہے قیامت کا سبزہ زار  
اک سمت نغمہٴ سنجی بلبل کی ہے پکار  
شاخیں جو جھومتی ہیں ہواؤں سے بار بار  
دامانِ گل سے گر رہے ہیں دُرِ آبدار  
بادِ چمن کا لطف ہر اک گل سے پوچھئے  
پھولوں کی تازگی دلِ بلبل سے پوچھئے

(۱۴)

ہر گل کی سونگھ سونگھ کے بو مست ہیں نہال  
کانٹوں سے اُلجھا جاتا ہے سنبل کا بال بال  
سر سبز حد کا پاتا ہوں جب گلشنِ خیال  
ہو جاتا ہے خوشی کی جگہ قلب کو ملال  
بھائے نہ تازگی مرے قلبِ ملول کو  
چھالے سمجھ رہا ہوں میں شاخوں میں پھول کو

(۱۵)

راتوں کی نیند ہوگئی اس فکر سے حرام  
کیا ذکرِ تازگی کہ ہے پڑمردگی سے کام  
جائے بہار لب پہ مرے ہے خزاں کا نام  
نفرت ہوائے سرد سے ہے قلب کو مدام  
راحت نہیں پسند کہ ایذا اٹھائی ہے  
صحرا کی میرے دل نے کڑی دھوپ کھائی ہے

(۱۶)

کیا اہلِ بزم کو یہ نہیں یاد واقعہ  
وہ کون پھول ہے کہ جو بے آب ہی رہا  
کس کو ملی نہ دشت میں دو روز تک غذا  
کہتا ہوں صاف صاف وہ ہے شاہِ کربلا  
یہ ظلم و جور اور کسی دل سے کب اٹھے  
حقدار جو ہو نہر کا وہ تشنہ لب اٹھے

(۱۷)

آئی نہ تھی فقط گلِ زہرا ہی پر خزاں  
تینوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے تھے کئی جواں  
جس گل پہ بارِ قطرہٗ شبنم بھی تھا گراں  
تھا رن میں زیرِ زانوئے قاتل وہ ناتواں  
چھوڑا تڑپ تڑپ کے جہانِ سیاہ کو  
پوچھو دہانِ زخم سے ایذائے شاہ کو

(۱۸)

جورِ خزاں سے خشک ہوا تھا گلِ علیؑ  
مرجھائی عینِ نشو و نما میں ہر اک کلی  
کب سر سے تیرگی سپہ کے بلا ٹلی  
ہو کیا گہن سے مہرِ امامت کا منجلی  
غمِ تیرگی سے بڑھ گئے ہر ذی حیات کے  
اب تک یہ آفتاب ہے پردے میں رات کے

(۱۹)

باقی ہے ساتھ مہر کے تاروں پہ بھی گہن  
ہمراہِ شاہِ قتل ہوئے سب وہ صفِ شکن  
جلتی ہوئی زمیں پہ رہا غازیوں کا تن  
ممکن نہ ساتھ شہ کے کسی کو ہوا کفن  
افسانہ جفا سحر و شام رہ گیا  
دنیا میں وہ رہے نہ رہے، نام رہ گیا

(مطلع ثانی) (۲۰)

جب قتل تا بہ ظہر ہوئے ناصرانِ شاہ  
روئے ہر اک کے غم میں شہنشاہ دیں پناہ  
دنیا سے سوئے خلد گئے سب وہ خیر خواہ  
یاں تک کہ قتل ہو گئے زینبؑ کے رشکِ ماہ  
جورِ اجل سے دولتِ اولاد لٹ گئی  
ہمشیرِ شاہِ گود کے پالوں سے چھٹ گئی

(۲۱)

جو پاس ہیں امامؑ کے ان کا بھی ہے یہ حال  
رخصت ہر ایک مانگ رہا ہے پئے جدال  
ایسے ہوئے مُصرِ شہِ دیں سے یہ خورد سال  
مرنے کا اذن پا گئے مسلمؑ کے نونہال  
دل کی طرح سے اکبرؑ وقاسمؑ قریب ہیں  
خود بخت کہہ رہا ہے بڑے خوش نصیب ہیں

(۲۲)

پہلے ہر اک عزیز سے لی جنگ کی رضا  
اب اس سے بڑھ کے خوبی قسمت ہو کیا بھلا  
مانع انہیں نہ ہو سکے سلطانِ کربلا  
توفیق اور ان کے ارادوں میں دے خدا  
پسا وہ فوج کیں ہو جدھر یہ نظر کریں  
ان چھوٹے چھوٹے نیچوں سے جنگ سر کریں

(۲۳)

گھوڑے بڑھا کے جا پڑے فوجوں پہ وہ جری  
دکھلائی تھے ہاتھوں سے لشکر کی ابتری  
دو لاکھ پر دکھا گئے ایسی دلاوری  
اب تک ہر اک زبان پہ ہے ذکرِ صفدری  
جنگل میں آتے ڈرتے ہیں اس دن سے شیر بھی  
مانے ہوئے ہیں تیغ کا لوہا دلیر بھی

(۲۴)

مجبور گر قضا سے نہ ہوتے وہ دلربا  
باقی نہ رہتی نام کو بھی فوجِ اشقیا  
بے غیرت اس طرح تھے مگر سب وہ بے حیا  
بچوں پہ مل کے ٹوٹ پڑی فوجِ پُر دغا  
خوں میں وہ مرتے مرتے ہزاروں کو بھر گئے  
گو جانِ رن میں دی پہ بڑا نام کر گئے

(۲۵)

پھر رن میں آئے حضرتِ زینبؓ کے لاڈلے  
دل کی طرح تڑپتے ہوئے نیچے چلے  
جسمِ عدو بھڑکتے ہوئے شعلوں سے جلے  
موت آئی، آ گیا جو کوئی تیغ کے تلے  
پورا وہ فضلِ حق سے ہوا قصد جو کیا  
مرحب کی طرح تا بہ کمر اس کو دو کیا

(۲۶)

اللہ کیا دلیر تھے زینبؓ کے ارجمند  
سالم نہ رکھا تیغ سے اعدا کا بند بند  
رن میں ہر اک گلے کو شجاعت ہوئی کمند  
بھگدڑ کئے تھا دشت میں اڑتا ہوا سمند  
بے بس قدم کے نیچے وہ مغرور ہوتے تھے  
ٹاپوں سے ہر سوار کے سر چور ہوتے تھے

(۲۷)

کھاتے کسی طرح سے نہ یہ مہ لقا شکست  
لشکر کا نئے سرے سے نہ ہوتا جو بند و بست  
کھاتے ہی رہتے زخمِ تنوں پر وہ فاقہ مست  
ہو جاتی ایک حملہ میں کل فوجِ شام پست  
تھا دشمنوں کے لب پہ بھی غل واہ واہ کا  
خیمہ گرا چکے تھے رئیسِ سپاہ کا

(۲۸)

تھا جس جگہ ملیں پسر سعد کینہ خواہ  
تھی جائے قلب فوج تو بے حصر تھی سپاہ  
تھا وہ مقام گیسوئے لیلا سے بھی سیاہ  
چار آئینہ نہ ہوتے تو کچھ سوچتی نہ راہ  
ظلمت تھی سر پہ چھائی ہوئی نور کی طرح  
دن اس جگہ پہ تھا شبِ دیبور کی طرح

(۲۹)

کس وقت ان دلیروں نے پایا ہجوم عام  
ہے جب گراں تھکے ہوئے ہاتھوں میں خود حسام  
تھا پہلے ہی سے قلب میں لشکر کا اہتمام  
رن کی بھی ان کے ساتھ سمٹ آئی فوجِ شام  
انبوہ اپنے پاس سے کیونکر جدا کریں  
زینبؓ کے لال ایسی جگہ گھر کے کیا کریں

(۳۰)

مڑ کر یہ ایک بھائی نے اک بھائی سے کہا  
مجبور ہم کو پا کے سمٹ آئے اشقیا  
طاقت ہمیں جواب نہ دیتی تو تھا مزا  
لیکن پہنچنا چاہئے قربِ شہِ ہدا  
فوجیں بھگا کے لے چلو حضرت کے سامنے  
گرنا سمند سے درِ دولت کے سامنے



(۳۱)

جب یہ صلاح کر چکے جرّار و بُردبار  
کرنے لگے دلیر دو دُستی وہاں پہ وار  
طرفہ سماں تھا خونِ جہندہ سے آشکار  
ہر سر سے اونچی تھی قدِ آدم لہو کی دھار  
یوں دیکھتے تھے اہلِ فلک انقلاب کو  
دھوتا تھا خون اُڑ کے رخِ آفتاب کو

(۳۲)

کچھ دیرِ قلبِ فوج میں اس حد کی کی وغا  
تھی جتنی کشمکش کھلا اتنا ہی راستا  
پھر لشکرِ جفا میں پڑا ایک تہلکہ  
نکلے تو نیچوں کی مدد سے وہ مہ لقا  
گو اس جگہ سے دشمن جاں دور ہو گئے  
یہ خود بھی سر سے تا بہ قدم چور ہو گئے

(۳۳)

پر جو کہا تھا منہ سے اسی طرح سے کیا  
کرسی پہ جلوہ گر تھے جہاں شاہِ کربلا  
لائے وہیں پہ ریل کے افواجِ اشقیا  
عباسؑ جس جگہ تھے گرے واں یہ مہ لقا  
قائلِ شجاعتوں کے ذرہ پوش ہو گئے  
دے کر صداِ امامؑ کو بے ہوش ہو گئے

(۳۴)

دیکھا جو بازوئے شہ دیں نے یہ ماجرا  
جھپٹے یہ کہہ کے حضرتِ عباسؑ با وفا  
آقا! شہید ہو گئے زینبؑ کے دلربا  
موت آئی عینِ فتح میں یہ کیا غضب ہوا  
زخمی جو تھے تو دشت سے خیمہ کو پھر پڑے  
تسلیم کر کے شاہ کو گھوڑے سے گر پڑے

(۳۵)

بھائی سے جب یہ شہ نے سنی غم کی داستاں  
کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ انس و جاں  
جاری تھی دم بدم لبِ حضرت پہ یہ فغاں  
اے بھائی میرے گود کے پالے گئے کہاں  
رنج و غم و ملال جگر پر اُٹھاتے ہیں  
ٹھہرو کہ ہم بھی لاش پہ بچوں کی آتے ہیں

(۳۶)

فرما کے یہ بڑھے سوئے عباسؑ با وفا  
واں دل سنبھالے آئے شہنشاہِ کربلا  
بے ہوش جس جگہ تھے وہ اطفالِ مہ لقا  
سینے سے بھانجوں کو لگا کر یہ دی صدا  
بیتاب اپنے غم سے کلیجے کو کر گئے  
زندہ ہو انتظار میں یا گر کے مر گئے

(۳۷)

دیتے وہ کیا جوابِ شہنشاہِ خاص و عام  
لب ریز کر چکی تھی قضاِ زندگی کا جام  
بچوں کو موت سے نہ ملی مہلتِ کلام  
گودی میں شاہِ دیں کے تڑپ کر ہوئے تمام  
نکلی جو روحِ جسم سے تنِ سرد ہو گئے  
پایا یہ چینِ گود میں شہ کے کہ سو گئے

(۳۸)

اس طرح روئے دیکھ کے یہ حال شاہِ دیں  
دل کی طرح سے دشتِ بلا کی ہلی زمیں  
بچوں نے کچھ کہا جو نہ تھا وقتِ واپسین  
تھا اس ملال و رنج سے دل اور بھی حزیں  
قاسمؑ بھی دل سنبھالے ہوئے جان کھوتے تھے  
ہمراہِ شاہِ اکبرؑ و عباسؑ روتے تھے

(۳۹)

القصہ لائے میتیں گھر میں شہ ہدا  
روئیں لپٹ کے لاشوں سے یوں بنتِ مرتضیٰ  
جس سے کہ بیبیوں میں قیامت ہوئی بپا  
لاشے اٹھا کے لے گئے سلطانِ کربلا  
غم کی یرش سے راحتیں روپوش ہو گئیں  
جب میتیں نہ پائیں تو بے ہوش ہو گئیں

(۴۰)

دولہا کی ماں نے دیکھا جب اس طرح سانحہ  
زینب کے لاڈلوں نے بھی کی دہر سے قضا  
کہنے لگی یہ قلب سے وہ غم کی مبتلا  
قاسم نے کیوں چچا سے نہ لی اب تلک رضا  
اذن و غنا نہ ملنے سے بھی منہ نہ موڑتے  
گر کر قدم پہ شاہ کے ہاتھوں کو جوڑتے

(۴۱)

دولہا کی لفظ لائے ہو ذخیر جو تا زباں  
نوشاہ کیا بنا تھا یہ جنت کا میہماں  
تفصیل اس خبر کی ذرا کیجئے بیاں  
تھوڑا سا طول ہوگا نہ یاں طبع پر گراں  
ہر دل میں یاد ہو تو فراموش کیوں رہو  
شائق ہوں اہلِ بزم تو خاموش کیوں رہو

(۴۲)

اک مجلسی نے تو نہیں لکھا یہ حالِ زار  
پر ہوگی اس بیان سے تہمت نہ زینہار  
ہے عقد، بست و ہشت کتابوں سے آشکار  
گل پر حسن کے بن کے خزاں آئی تھی بہار  
شادی وہ ختم چند دقیقے میں کل ہوئی  
یوں گل کھلے کہ شمع حیات آہ گل ہوئی

(۴۳)

ساری مصیبتوں کا جو شہ پر ہے خاتمہ  
واقع ہوا ہو عقد جو رن میں عجب ہے کیا  
گل اہلِ درد جانتے ہیں اس کا ماجرا  
بیٹی کا رائڈ ہونا بھی ہے قہر و بد بلا  
بنتا ہے سینہ تنگ قفس جان کے لئے  
دشوار زیست ہوتی ہے انسان کے لئے

(۴۴)

کرتا بیاں میں اور مگر طول کا ہے ڈر  
سچی اگر نہیں، تو نہیں جھوٹ بھی خبر  
ذخیر پلٹ کے خیمہ کی جانب کرو نظر  
مضطرب ہے حد کی مادرِ نو شاہِ نوحہ گر  
دل سے یہ کہہ رہیں ہیں کہ واری کہاں پہ ہو  
قاسم و غنا کو جاؤ تو احسان ماں پہ ہو

(۴۵)

تم پر چچا نے کی ہیں لڑکپن سے محنتیں  
کاہے کو یاد ہوئیں گی چھٹپن کی صحبتیں  
تم جتنے بڑھتے جاتے تھے بڑھتی تھیں الفتیں  
کیوں صدقے جاؤں یاد ہیں شہ کی ریاضتیں  
آرام، رن میں جاؤ تو اے نور عین آئے  
دولہا بنے ہوئے جو سدھارو تو چین آئے

(۴۶)

یاں ان کا یہ بیاں تھا ادھر قاسم جری  
کرتے تھے شہ سے عرض کہ حسرت ہے جنگ کی  
مولا ہوئی ہے دیر مرے مرگ میں بڑی  
دبجے رضا جہاد کی اے دلبر علی  
خیمہ میں کس سے قسمت بد کا گلا کروں  
چارہ سوائے مرگ نہیں اب میں کیا کروں

(۴۷)

یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر  
سنبھلا کسی طرح سے نہ جب سینے میں جگر  
رویہ تڑپ تڑپ کے وہ ناشاد و نوحہ گر  
نعلینِ پائے شاہِ ہوئے آنسوؤں سے تر  
بجلی کی طرح قلبِ فسرہ کا حال تھا  
دل کا وفورِ غم سے سنبھلنا محال تھا

(۴۸)

دیکھا امامِ دیں نے جب اس طرح دل کا حال  
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ خوش خصال  
اے جانِ عمِ جگر کو نہیں طاقتِ ملال  
اچھا خوشی یہی ہے تو لو رخصتِ جدال  
اس رنجِ نے بہا دیئے آنسو تھے ہوئے  
جنت میں جاؤ دہر سے دولہا بنے ہوئے

(۴۹)

مسرور لے کے اذن ہوا قلبِ خوش نہاد  
تھا جتنا رنج اتنی خوشی بھی ہوئی زیاد  
پھولوں نہ دل سماتا تھا آئی جو تھی مراد  
تسلیم کی امام کو با قلبِ شاد شاد  
شادی نے عینِ غم میں جو چہرہ دکھا دیا  
آنسو تھے نہ تھے کہ جری مسکرا دیا

(۵۰)

جب اذنِ جنگ دے چکے شہنشاہِ زماں  
ہنستے ہوئے مکاں کی طرف یہ ہوئے رواں  
ڈیوڑھی پہ منتظر تھی ادھر دیر سے جو ماں  
دیکھا رنجِ پسر تو یہ کرنے لگی بیاں  
دل پر چچا کے ہجر کا غم دے کے آئے ہو  
واری بتاؤ اذنِ وفا لے کے آئے ہو

(۵۱)

جب تک نہ کچھ کہو گے رہوں گی میں بے قرار  
واری یہ ماں پھوپھی سے تمہاری ہے شرمسار  
پہلو میں قلبِ زار تڑپتا ہے بار بار  
جب تک نہ جان دو گے رہوں گی میں اشکبار  
قاسمِ تمہاری موت سے ہے زندگی مری  
جائے گی لاش دیکھ کے شرمندگی مری

(۵۲)

ہنس کر پسر نے مادرِ مغموم سے کہا  
کیوں ہوں کسی سے آپ نخلِ مل گئی رضا  
بیٹے سے اپنے مژدہ جاں بخش جب سنا  
دولہا کو راند ماں نے گلے سے لگا لیا  
شادی مٹی ملال کا سب طور ہو گیا  
لپٹا لیا جگر سے تو دل اور ہو گیا

(۵۳)

آنسو بھر آئے آنکھوں میں تڑپا جو قلبِ زار  
دل نے کہا کہ خوب سا کر لو پسر کو پیار  
یہ آخری ہے دید، یہ ملنا ہے یادگار  
دولہا نہ اب ملے گا اجل ہے گلے کا ہار  
پھر دیدِ نورِ عین کی باری نہ آئے گی  
رن سے پلٹ کے گھر میں سواری نہ آئے گی

(۵۴)

بیتاب گو تھا ہجر سے فرزند کے جگر  
بولی مگر یہ مادرِ ناشاد و نوحہ گر  
میری تو اس کی راہ میں ہے صبر پر نظر  
پر مصلحت ہے اس میں کہ ہو عازمِ سفر  
تم بنتِ ابنِ شیرِ الہی سے ملتے جاؤ  
ماں صدقے ایک رات کی بیاہی سے ملتے جاؤ

(۵۵)

سن کر دولہن کا نام ہوئے اشکِ خوں رواں  
روتا ہوا گیا سوئے جملہ وہ ناتواں  
دیکھا وہ حال جس سے ہوا اور دل تپاں  
زانو پہ سر جھکائے ہے بنتِ شرّ زماں  
حکمِ حیا سے بند محبت کی راہ ہے  
نے تابِ گفتگو ہے نہ تابِ نگاہ ہے

(۵۶)

دل ان کا چاہتا تھا کہ میں کچھ کروں کلام  
بولی مگر یہ موت نہیں دیر کا مقام  
رن میں کھڑے ہوئے ہیں شہنشاہِ خاص و عام  
عباسؑ بڑھ نہ جائیں سوئے فوجِ روم و شام  
پھر کچھ نہ ہوگا تڑپو کہ بے حد بُکا کرو  
وہ اذنِ جنگِ شاہ سے لے لیں تو کیا کرو

(۵۷)

سن کر بیانِ موت رہی قلب کو نہ تاب  
نے خود کیا سوال نہ پایا کوئی جواب  
اُٹھے حسامِ دوش پہ رکھ کر بصدِ شتاب  
لیکن دولہن سے بات نہ کرنے کا تھا حجاب  
دل منتشرِ فراق سے تھا گیسوؤں کی طرح  
گھر سے چلے تڑپتے ہوئے آنسوؤں کی طرح

(۵۸)

جملہ سے تا بہ صحن جو پہنچا وہ لالہ فام  
دیکھا کہ یاں کھڑی ہوئی ہیں بیبیاں تمام  
قاسمؑ نے سب کو جھک کے کیا آخری سلام  
ہاتھوں سے دل کو تھام کے ماں نے کئے کلام  
ہونے دیا نہ موت نے پورا جواں تمہیں  
جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پائی یہ ماں تمہیں

(۵۹)

ملتا ہوا جو جاتا تھا سب سے وہ دلربا  
رونے کا شور بیبیوں میں در تلک رہا  
برجِ شرف سے جب نکل آیا وہ مہ لقا  
بیتِ الحزن میں ایک اندھیرا سا چھا گیا  
یہ حال بیبیوں کا مصیبت میں ہو گیا  
آنکھوں سے نورِ صورتِ یعقوبؑ کھو گیا

(۶۰)

آئے یہ پوچھتے ہوئے آنسوِ قریبِ شاہ  
کی عرض سب سے مل چکا حضرت کا خیر خواہ  
آمادہ ہے وغا پہ اُدھر شام کی سپاہ  
کیا حکم ہے غلام کو اے شاہِ دیں پناہ  
تاخیر اب نہ چاہئے دل کی امنگ میں  
ارشاد ہو تو جاؤں میں میدانِ جنگ میں

(۶۱)

بولے گلے لگا کے یہ شاہِ فلک وقار  
بہتر منگائیے درِ دولت پہ راہوار  
گو صدمہٴ فراق سے ہے قلب بے قرار  
لیکن ہم اپنے ہاتھ سے کر دیں تمہیں سوار  
مضطرب ہے دلِ صغیر جو اے نورِ عین ہو  
تم بیٹھ لو جو زمینِ فرس پر تو چین ہو

(۶۲)

یہ ذکر تھا جو آ گیا اسپ سبکِ خرام  
نزدیکِ راہوار بڑھے شاہِ خاص و عام  
زیں پر بٹھا کے ہٹ گئے عباسؑ نیک نام  
خادم نے بڑھ کے ہاتھ میں دولہا کے دی لجام  
جاتے ہی صدرِ زیں پہ یہ جرّار تن گیا  
گھوڑا، کھنچی جو باگ تو طاؤس بن گیا

(۶۳)

بے چین ہو رہا تھا جو شدید تیز گام  
اس وقت تک یہ زین پہ گاٹھے رہے لجام  
جب تک نہ کر لیا شہِ مظلوم کو سلام  
عباسِ نادر سے بھی یہ کئے کلام  
رخصت حضور آپ بھی خادم کو کیجئے  
یہ آخری غلام کی تسلیم لیجئے

(۶۴)

جب سب سے مل چکا شہِ مسموم کا پسر  
گردن پھرا کے اسپ انے راکب پہ کی نظر  
مطلب یہ تھا چلوں میں سوئے فوج بدگھر  
چہرے کو دیکھتے ہی ملی قلب کی خبر  
درجہ ملا یقین کا وہم و خیال کو  
سمجھا فراستوں سے فرس دل کے حال کو

(۶۵)

گاٹھی انہوں نے باگ بڑھا جب وہ تیز پا  
میدان پا کے اور بھی چالاک ہو گیا  
بن میں کبھی چلا تو فلک پر کبھی اڑا  
وہ پیاری شوخیاں تھیں کہ تھی قدرتِ خدا  
یہ طرفہ بات ہے یہ جہاں تھا وہیں نہ تھا  
سایہ زمیں پہ رن میں کہیں تھا، کہیں نہ تھا

(۶۶)

جادو کی طرح ہے فرس تیز پا کی چال  
آساں اسے سمجھتا ہے جو امر ہے محال  
ہے شکل سبزہ روندے ہوئے گلشنِ خیال  
قلبِ زمیں کی طرح ہوا بھی ہے پائمال  
معدونیت جو دشت کے نقش قدم میں ہے  
اہلِ جہاں سمجھتے ہیں کتمِ عدم میں ہے

(۶۷)

اثبات میں ہونفی کا شک ہے خدا کی شان  
چلتا ہے یہ زمیں پہ سمجھتا ہے آساں  
اڑ کر گیا ہے عرش پہ گیتی کو ہے یہ دھیاں  
میدانِ حشر میں ہے یہ مردوں کو بھی گمان  
نیرنگیاں یہ چال سے اپنی دکھا گیا  
کل حشر کی خبر تھی مگر آج آ گیا

(۶۸)

ملتا ہوا ہے گردشِ دنیا سے اس کا رنگ  
عالم بدل بدل کے چلا اسپ شوخ و شنگ  
پہنچا فلک پہ دہر کی وسعت ہوئی جو تنگ  
دل سے مٹی نہ تیز روی کی مگر امنگ  
سرعت سے زیر پا ہے وہ جادہ جدھر کا ہے  
خود جانتا نہیں کہ ارادہ کدھر کا ہے

(۶۹)

ہے محو دیکھ دیکھ کے خود آپ اپنی چال  
جس راستے کو طے کریں سیارے ماہ و سال  
ہے اک، جنوب و شرق ہوں یا مغرب و شمال  
جانا کسی جگہ پہ نہیں اسپ کو محال  
عرصہ ہو جتنا اٹھنے میں نیچی نگاہ کو  
طے اتنی دیر میں یہ کرے اتنی راہ کو

(۷۰)

اللہ رے فرس کی تلونِ مزاجیاں  
بے اصل جس کے سامنے ہے گردشِ جہاں  
ہے وہ جہاں خفیف سا ہوتا ہے واں گماں  
آنکھوں میں ہے مقام، پہ دل پر نہیں عیاں  
نظروں میں ہے سمائے جگر کو گماں نہ تھا  
نزدیک اس قدر تھا پہ ظاہر نشان نہ تھا

(۷۱)

اب اس سے بڑھ کے اور ہوسرعت کا کیا یقیں  
کرتے ہیں جس کی مدح اُسے دیکھتے نہیں  
پستی کو دیکھو دوڑنے میں زیں گری کہیں  
کوسوں یہ چھوڑے جاتا ہے چلتی ہوئی زمیں  
اتنا چلا مگر نہ تمنائے دل گئی  
جو چیز ابھی چھٹی وہ قیامت سے مل گئی

(۷۲)

کیا چیز تھی یہ وسعت میدانِ کارزار  
طے جس کو تھوڑے عرصہ میں کرتا یہ راہوار  
چھٹ جاتا ہے قدم کے جو پیچھے کہیں غبار  
ہوتی ہے اس کی تیز روی رن میں یادگار  
آتے ہوئے صبا کو غم و رنج دے چلا  
پیچھے ہوئے تند کو پلٹا کے لے چلا

(۷۳)

رفتار یہ نہیں ہے کراماتِ خوش خرام  
مرضی پہ اس کی چھوڑ دے راکب اگر لجام  
بڑھ جائیں آگے وسعت دنیا سے تین گام  
طول اس جہاں کا ایک قدم میں کرے تمام  
شامت ہوا کی آئے اگر سامنا کرے  
روکے رہیں نہ یہ، تو خدا جانے کیا کرے

(۷۴)

آتے تھے یہ ادھر، ادھر افواجِ روم و شام  
تھی منتظر کہ کون اب آتا ہے نیک نام  
ہے کس جری و شیر کی آمد کی دھوم دھام  
کرتی ہے گرد کس کی سواری کا اہتمام  
عازم و غا کا بازوئے شہ ہے کہ عون ہے  
کھلتا نہیں غبار کے پردے میں کون ہے

(۷۵)

ساکت فرس تھے، دل تھا سواروں کا بے قرار  
دہلا رہا تھا قلب کو اٹھتا ہوا غبار  
ہوتا نہ تھا جو امرِ نہاں رن میں آشکار  
ٹیکے ہوئے تھا زین پہ زانو ہر اک سوار  
دیکھیں بہادری جو نظر سے نظر ملے  
مطلب یہ تھا کہ گرد پھٹے تو خبر ملے

(۷۶)

ناگہ ہٹا غبار، پکارا یہ دیدباں  
آگاہ اس جواں سے ہو اے لشکرِ گراں  
دولہا یہ ایک رات کا ہے کیا نہیں عیاں  
آڑی پڑی ہیں دیکھ لو پھولوں کی بدھیاں  
رن کی ہوا بھی کم نہیں بادِ نسیم سے  
جنگل بسا ہوا ہے گلوں کی شمیم سے

(۷۷)

آتی ہے ان گلوں سے شجاعت کی ہم کو بو  
ہوں گے تمہارے خون سے یہ پھول سرخرو  
ساغر میں گل کے اوس کی جا دیکھو گے لہو  
ان پھولوں کو ہے خون کے پینے کی آرزو  
آگاہ ان سے دشت میں قلبِ ملول ہیں  
اے فوجِ شام پیاسے کی بدھی کے پھول ہیں

(۷۸)

اللہ کیا دلیر و جری ہے یہ نوجواں  
اُلٹا ہوا ہے ماتھے پہ سہرا بعزّ و شان  
بیشک شکست کھائے گا یہ لشکرِ گراں  
جرات کی دے رہی ہیں خبرِ ترچھی بدھیاں  
آتا ہے کوئی دم میں زمانہ غریو کا  
مشتاق اس کا ہاتھ ہے شاید جنیو کا

(۷۹)

تم سب کو رنگِ دستِ حنائی سے حق بجائے  
لڑنے میں اس کی دید سے سر پر بلا نہ آئے  
رنگِ حنا سے خوں نہ کہیں تن میں جوش کھائے  
لبریز جامِ زیست ہوا ہے اُبل نہ جائے  
پنچے میں آج موت کے ہر ذی حیات ہے  
کہتا ہوں صاف رنگِ جہاں بے ثبات ہے

(۸۰)

گھوڑا چلے گا رن میں جری کا ہوا کی طرح  
ہر سر پہ تیغ آئے گی ہر دم بلا کی طرح  
ٹالے نہ یہ ٹلے گی سروں سے قضا کی طرح  
پس جائے گا حسام سے ہر دل حنا کی طرح  
اس امر میں خیال بھی لازم ہے غور بھی  
ہاتھوں کی زیب ہوئے گی اس خوں سے اور بھی

(۸۱)

ہاں اے دلیرو! فوج کا پھر کر لو بندوبست  
دیکھو شرابِ کبر سے ہر قلب ہو نہ مست  
غازی کے ایک حملہ میں ہوگی سپاہِ پست  
میدان میں اس کو فتح ہمیں ہوئے گی شکست  
شاید شگونِ بد پہ تمہارا عمل نہیں  
ہنسنا گلوں کے ہار کا یہ بے محل نہیں

(۸۲)

آفت کی بھی خزاں پہ ہے ان پھولوں پر بہار  
ہنستے ہیں شب کی طرح ابھی تک یہ بار بار  
بادِ سمومِ دشت ہے پھولوں سے مشکبار  
ڈالے ہوئے گلے میں ہے باہیں گلوں کا ہار  
رشتے میں کب گرے ہوئے دل کو سنبھالے ہیں  
پھولوں نے اپنے قلب کے ارماں نکالے ہیں

(۸۳)

کیا اس سے لڑ سکو گے تم اے ساکنانِ شام  
خواہاں یہ موت کا ہے، نہیں زندگی سے کام  
سر کے گا پیچھے کھیت کے اس کا نہ ایک گام  
ہرگز نہ مرتے مرتے ہٹے گا یہ لالہ فام  
اب کیا یہ رن سے جائے گا منہ اپنا موڑ کے  
آیا ہے ایک رات کی بیاہی کو چھوڑ کے

(۸۴)

تعریفِ دیدباں ہوئی لشکر کو ناگوار  
کہنے لگے بگڑ کے کئی رن میں نابکار  
بودا ہر اک کو جان لیا او ستم شعار  
کھل جائے گا شروع تو ہونے دے کارزار  
کب تک کرے گا قتل کوئی حد جفا کی ہے  
گل فوج بھاگے ایک سے قدرت خدا کی ہے

(۸۵)

دولہا نے جب سنا سپہ کیوں کا یہ بیاں  
آیا جلال، چڑھ گئیں ابرو کی تیوریاں  
کہنے لگے پکار کے اے لشکرِ گراں!  
سچ کہتے ہو، ہوا ابھی جاتا ہے امتحاں  
لو آؤ دیکھ لو مرے دل کی امنگ کو  
لاشوں سے پاٹے دیتا ہوں میدانِ جنگ کو

(۸۶)

کہنا تھا جو وہ کہہ چکا سب تم سے دیدباں  
بہتر، بڑھے وغا کے لئے لشکرِ گراں  
آؤ تو لوں میں میان سے تیغِ شرفشاں  
مضطرب ہیں دیر سے مرے بازو کی مچھلیاں  
ارماں بہت ہے تیغ کو گھوڑے کے ساتھ کا  
اب بے لڑے تو درد نہ جائے گا ہاتھ کا

(۸۷)

یہ کہہ رہے تھے آپ جو لشکر سے آئے تیر  
بیٹھا سنبھل کے زیں پہ حسن کا مہ منیر  
بڑھ آئے زد پہ تیغ کی جس دم جوان و پیر  
لی آپ نے بھی میان سے شمشیر بے نظیر  
دولہا کے پاس زیب دہ انجمن چلی  
لو جملہ نیام سے باہر دلہن چلی

(۸۹)

نکلی عجیب شان سے شمشیر برق زا  
گھونگھٹ ہٹا نیام کا چہرا نظر پڑا  
یہ رنگِ عکس دستِ حنائی سے حال تھا  
تھے لال بے لڑے ہوئے یہ سر سے تا بہ پا  
نوشاہ ہے جو ہاتھ میں اپنے لئے ہوئے  
پوشاکِ سرخ زیب بدن ہے کئے ہوئے

(۹۰)

تھی ناگوارِ طبع جو لشکر کی گفتگو  
جھپٹا بڑے جلال و غضب میں یہ ماہرو  
کہتا تھا دل سے لختِ دل شاہِ نیک خو  
قاسم کرو ونا میں دلیروں کی جستجو  
معلوم کچھ تو ہو سپہ کینہ خواہ کو  
دو ان کو قتل کر کے ہزیمت سپاہ کو

(۹۱)

یوں تو نہ ہوئے گی یہ سپہ مائل فرار  
کثرت پہ اپنی بھولے ہوئے ہیں ستم شعار  
میدان میں تھوڑی دیر کرو جم کے کارزار  
جو وار ہو بلا کا ہو ہنگام گیر و دار  
آئے سپر پہ پڑ کے یہ گھوڑے کی زین تک  
تلوار کاٹتی ہوئی اوٹھے زمین تک

(۹۱)

یہ دل سے کہہ کے لی فرس تیز کی لجام  
آئی ہر ایک سر پہ قضا کی طرح حسام  
کیسا چھلکنا ٹوٹ گئے زندگی کے جام  
مئے کی طرح سے گرنے لگے ساکنانِ شام  
گرتے ہی ظلمِ موت سے بیگانہ بن گئیں  
آنکھیں کھلی ہوئی لبِ پیانہ بن گئیں

(۹۲)

آفت بپا کئے ہوئے تھی تیغِ شعلہ ور  
دستِ قضا سے فوج کو ملتا نہ تھا مفر  
ہوتے تھے دشتِ کیں میں جو پامال بد گھر  
دیتے تھے چور ہو کے صدا کا سہ ہائے سر  
راحت فنا سے زیرِ سم بادِ پا ملی  
سر جس قدر اٹھایا تھا اتنی سزا ملی

(۹۳)

ہاں اے قلم ہو گرمیِ عاشور پھر بیاں  
گو کہہ چکا ہے تو پہ نہ لا دل میں کچھ گماں  
ہے اختیارِ نظم پہ ہو جائے تا عیاں  
لیتے ہیں ماہرانِ سخن تیرا امتحان  
گو بحر بھی ہے ایک مگر کچھ الم نہیں  
شامل ہے فضلِ حق تو کوئی دل پہ غم نہیں

(۹۴)

پر یہ رہے خیالِ مطوّل نہ ہو بیاں  
کرنا ہے آگے ذکر تجھے جنگِ پہلوواں  
انصاف ہے تو داد بھی پائے گا بے گماں  
مشتاق سب ہیں تو سنِ خامہ کی لے عنان  
پشمرده برگِ سروِ الف ہوں پھلے ہوئے  
ٹپکیں زبانِ کلک سے نقطے جلے ہوئے



(۹۵)

اللہ ری حرارتِ شمشیر شعلہ رو  
تھی وقتِ جنگِ شمع کی لو ہر رگِ گلو  
پھٹکتے تھے اس کی آگ سے یوں پیکرِ عدو  
پارہ کی طرح جسم سے اڑ جاتا ہے لہو  
آگاہ تیغ و موت ہے اک اس کی لاگ سے  
دم بھر نہ ٹھہرا قطرہ خوں دل کی آگ سے

(۹۶)

پھیلا ہوا تھا گرمیِ خورشید کا اثر  
تھا صورتِ چنار ہر اک باغ کا شجر  
خود آگ کی طرح سے دہکتے تھے برگِ تر  
پتوں میں منہ چھپا نہیں سکتے تھے جانور  
تن جل رہے تھے سرد کلبجوں کا خوں نہ تھا  
پوشیدگی میں بھی تو دلوں کو سکوں نہ تھا

(۹۷)

سائے میں بھی تھے دھوپ کی حدت سے دل کباب  
ہر لحظہ بڑھتی جاتی تھی گرمیِ آفتاب  
پانی پہ ٹوٹے پڑتے تھے ہر بحر میں سحاب  
دیتی تھی موج بھر کے حبابوں کے جامِ آب  
اللہ کیسی گردشِ تقدیرِ شوم تھی  
پیاسوں کی تشنگی کے بجھانے کی دھوم تھی

(۹۸)

ہر چند خود وہ بحر تھا گرمی سے بے قرار  
تڑپا رہی تھی موج کا دل دھوپ بار بار  
باہر نکلتا بطنِ صدف سے تھا ناگوار  
جا جا کے زیرِ آب چھپے دُرِ شاہوار  
تھا غم جو پیاس کا دلِ پُر اضطراب پر  
آتی تھیں تہہ میں مچھلیاں موتی کی آب پر

(۹۹)

تالیش زیادہ مہر کی جب بحر پر پڑی  
دریا میں موج کی یہ صدا تھی جلی جلی  
نازک دلوں پہ کیسی یہ حدت سے آہنی  
چلتا نہ تھا جو زور تو تھی حد کی بے بسی  
اُٹھتے نہ تھے جو غم تپشِ آفتاب کے  
روتے تھے پھوٹ پھوٹ کے چھالے حباب کے

(۱۰۰)

کس طرح اپنی مردمِ آبی نہ جان دیں  
پانی جو کھولتا ہو تو آرام کیا ملیں  
قلب و جگر جلا جو رہی ہیں حرارتیں  
لیبتی ہے موج، سطح پہ پانی کی کروٹیں  
مانندِ مہر بحر میں گرداب ہو گیا  
آرام دل کا گوہر نایاب ہو گیا

(۱۰۱)

ہیں میں جن کی طبع کو، مضطر ہیں وہ کمال  
خاکِ زمیں کا پانی سے بڑھ کر برا ہے حال  
کیوں ہوتا خاکساروں کے دل پر کوئی ملال  
کر دیتا کاش تر عرقِ شرم و انفعال  
ہوتیں ترقیاں نہ کبھی دل کے لاگ کو  
کرتا کوئی تو سرد کلبجے کی آگ کو

(۱۰۲)

دم بھر زمینِ گرم پہ دل کو نہیں قرار  
اُٹھتا ہے جب کنارے سے جلتا ہوا غبار  
دامن سے ذرے چھوٹ کے گرتے ہیں بار بار  
پانی میں صاف ہوتا ہے یہ امر آشکار  
دریا میں ڈوبنے سے تپش دل کی جاتی ہے  
چنگاریوں کے بجھنے کی آواز آتی ہے

(۱۰۳)

پیتاب حد کی تھی سپہ خانماں خراب  
قلب و جگر جلا رہی تھی تیغِ شعلہ تاب  
بڑھتی ہی جاتی تھی تپشِ روئے آفتاب  
کھاتا تھا جوشِ مئے کی طرح ساغروں میں آب  
بو ہر نفس میں قلب کے جلنے کی آتی تھی  
پانی سے اور دل کی تپش بڑھتی جاتی تھی

(۱۰۴)

آرام میں وہ فوج ہے جو ہے کنارِ جو  
بھڑکی ہوئی ہے دشت میں پر آگ چار سو  
تڑپا رہی ہے پیاسوں کو پانی کی جستجو  
دریا پہ شکلِ سیل چلے جاتے ہیں عدو  
سیراب ہوتے جاتے ہیں آ آ کے گھاٹ پر  
اک اژدہا حشر ہے دریا کے گھاٹ پر

(۱۰۵)

ساحل پہ اک کو ایک کی مطلق نہ تھی خبر  
پانی پہ گر رہے تھے برابر وہ بد گھر  
پیتا تھا کوئی، کوئی زہ کر رہا تھا تر  
ٹھنڈا کسی کا جسم، کسی کا ہوا جگر  
دریا پہ بھی اثر یہ ہوئے اضطراب کے  
جلدی میں ٹوٹے جاتے تھے ساغرِ حباب کے

(۱۰۶)

ہر دل کو دشتِ ظلم میں تھا اشتیاقِ آب  
دریا کو اٹھ کے دیکھتی تھی تیغِ برق تاب  
زائل کسی طرح جو نہ ہوتا تھا اضطراب  
جاتے تھے دشتِ ظلم سے دریا پہ شیخ و شاب  
زائد تپش جو تھی دلِ پُر اضطراب کی  
دوڑا رہی تھی رن سے ہوسِ جامِ آب کی

(۱۰۷)

تھا اُس طرف یہ حال ادھر تیغِ شعلہ زا  
گر گر کے حشر کر رہی تھی دشت میں بپا  
تھا رن میں ناریوں کو جہنم کا سامنا  
تھی بادِ سامِ دامنِ شمشیر کی ہوا  
جل جل کے قدرِ جسم نگاہوں پہ چڑھ گئی  
چھالوں سے اور زینتِ آغوش بڑھ گئی

(۱۰۸)

تھی تیغِ برق زا پہ کسے طاقتِ نگاہ  
ڈھالوں سے منہ چھپائے ہوئے رن میں تھی سپاہ  
جلتی ہوئی حسام کے ہنگامِ رزم گاہ  
شعلے بھڑک رہے تھے کہ اللہ کی پناہ  
جس سر پہ آئی طالعِ قسمت چمک گیا  
اس آگ کا اثر پسرِ سعد تک گیا

(۱۰۹)

کیا کیا لڑا ہے دشت میں اک رات کا بنا  
ہر ضرب پر سپاہ میں برپا تھا تہلکہ  
کھاتی تھی خوفِ سامنے آتے ہوئے قضا  
رن کی زمیں دہل رہی تھی حشر تھا بپا  
یہ حال ڈر سے ہو گیا اہلِ قبور کا  
آوازِ یوق سمجھے کہ نالہ ہے صور کا

(۱۱۰)

میدانِ ظلم بھر گیا لاشوں سے چار سو  
اس حد پہ رن میں قتل ہوئے تیغ سے عدو  
باقی رہی نہ قلب میں لڑنے کی آرزو  
تا ابنِ سعد بہہ کے گیا فوج کا لہو  
راحت میں سیلِ خوں سے کچھ ایسا خلل پڑا  
گھبرا کے پشتِ خیمہ سے باہر نکل پڑا

(۱۱۱)

واں تو رئیس فوج کا گذرا یہ حال زار  
اس حد پہ اور یاں ہوئے مقتول نابکار  
لائے مقابلہ کی نہ پھر تاب بدشعار  
دولہا کے سامنے سے کیا فوج نے فرار  
رن سے قدم سپاہ اٹھاتی ہوئی چلی  
خاک آگے آگے راہ بتاتی ہوئی چلی

(۱۱۲)

میدان جنگ میں جو نہ تھا قلب کو قرار  
ڈالے ہوئے فرس کو چلے جاتے تھے سوار  
تھے پیروی گرد پہ نازاں ستم شعار  
ازرق جہاں کھڑا تھا وہاں تھم گیا غبار  
دامن ہوا سے تھوڑے ہی عرصہ میں پھٹ گیا  
کچھ چپکے چپکے حال سپہ کہہ کے ہٹ گیا

(۱۱۳)

معلوم ہو چکی جو پریشانی سپاہ  
لشکر پہ کی لعین نے بڑے غیظ سے نگاہ  
بولا سران فوج سے مکار و کینہ خواہ  
اک طفلِ فاقہ کش کی یہ وحشت ہے واہ واہ  
شہرہ ہوا حجاز میں موصل کے نام کا  
روشن چراغ خوب کیا ملکِ شام کا

(۱۱۴)

لاکھوں کا زور ایک سے رن میں نہ کچھ چلا  
لیکن مری سمجھ میں یہ آتا ہے ماجرا  
جراتِ ضرورت میں ہے ہم کیوں کریں گلا  
بودا رئیس ہو تو سپہ کر سکے گی کیا  
کیا کام، باہر آنے کی کون التجا کرے  
خیمہ میں میر فوج ہو لشکر و غا کرے

(۱۱۵)

تسکین دل ہوئی جو سنے اس طرح کلام  
کہنے لگی سرانِ جنود و سپاہِ شام  
ہے واقعی و غا میں رئیس سپہ کا کام  
اس کم توجہی نے تو کی زندگی حرام  
پھر لطف ہوتا دشت میں تیغ آزمائی کا  
میر سپہ کے ساتھ مزا تھا لڑائی کا

(۱۱۶)

یاں یہ بیاں تھا واں پسرِ سعد کینہ جو  
سنتا تھا فوج و ازرقِ شامی کی گفتگو  
گو برہمی سے جوش میں تھا جسم کا لہو  
خاموش مصلحت سے رہا پروہ تیرہ رو  
کچھ اور فکر تھی جو دلِ بد خصال کو  
ازرق کے پاس ٹال کے آیا ملال کو

(۱۱۷)

پہنچا تو یہ کئے پسرِ سعد نے کلام  
مٹی ہے آبرو مری اے پہلوانِ شام  
گھونگھٹ سپاہ کھا چکی قصہ ہوا تمام  
لڑنے جو آپ جائیں تو رہ جائے سب کا نام  
شہرِ عراق ورے میں ہوں اس کارزار کے  
آنسو چکھیں نبرد میں قاسم کو مار کے

(۱۱۸)

بولا وہ غیظ میں نہ کروں گا میں اس سے جنگ  
بچے سے لڑنا دشت میں میرے لئے ہے ننگ  
اک طفل پر کسوں گا نہ گھوڑے کا اپنے ننگ  
کیا جانے تو کہ کیا ہے مرے قلب کی امنگ  
ہو جاتا فیصلہ تن و سر کی جدائی کا  
ہوتے حسین اگر تو مزا تھا لڑائی کا

(۱۱۹)

لیکن ترا ملال بھی ہے دل کو ناگوار  
بہتر یہ امر ہے جو کرے قلب اختیار  
ہیں میرے چاروں بیٹے جو یکتائے روزگار  
ان میں سے جن کو حکم ہو دوں اذن کارزار  
ہنگام گیر و دار شجاع و دلیر ہیں  
تو جانے کیا یہ پیشہ جرات کے شیر ہیں

(۱۲۰)

القصرِ رن کی چھوٹے پسر کو ملی رضا  
ظالم یہیں سے اسپ پہ تننا ہوا چلا  
قاسم نے بھی جو دور سے دیکھا یہ ماجرا  
شوقِ وغا سے چھیڑ دیا اسپ بادپا  
دیکھا نہ اس کے آنے کا رستا دلیر نے  
اپنا شکار ٹوک لیا بڑھ کے شیر نے

(۱۲۱)

پایا بہت قریب تو سوچا یہ نابکار  
پامال کر نہ دے کہیں غازی کا راہوار  
جلدی کیا شیر نے نیزہ کا اپنے وار  
رد کر کے ماری آپ نے شمشیر آبدار  
ٹکڑے کیا سپر کی طرح مغزِ سر تلک  
تلوار کاٹتی ہوئی آئی کمر تلک

(۱۲۲)

دو ہو کے گر پڑا جو وہ مکار و بے حیا  
پھر دوسرے سے آپ ہوئے عازم وغا  
یہ بھی ہوا جو قتل تو پھر تیسرا چلا  
اس کی بھی آئی بُرشِ شمشیر سے قضا  
دکھلائے فوج شر کو ہنر کارزار کے  
تلوار روکی آپ نے چوتھے کو مار کے

(۱۲۳)

قاسم نے ہنس کے ازرق شامی سے پھر کہا  
لے تیرے چاروں بیٹوں نے دنیا سے کی قضا  
کیوں اب بھی عار و ننگ ہے او بانی جفا  
ہم منتظر کھڑے ہیں بس اب آپے وغا  
ضد دل کو تیرے قتل پہ ہے اور کد بھی ہے  
کب تک رہوں میں دھوپ میں کچھ اس کی حد بھی ہے

(۱۲۴)

جب یہ سنا تو غیظ سے ظالم نے کی نگاہ  
بیٹوں کے غم میں پہلے بھری ایک دل سے آہ  
نوشاہ سے یہ کہنے لگا پھر وہ روسیہ  
لیتا ہوں آ کے میں عوضِ خونِ بے گناہ  
میدان میں وقت آ گیا اب میری جنگ کا  
وہ اور بات تھی جو تصور تھا ننگ کا

(۱۲۵)

اپنے پرے سے کہہ کے یہ نکلا وہ پہلواں  
تن اس قدر قوی تھا کہ تھا دیو کا گماں  
جو منتخب تھے ان میں کا تھا یہ بھی اک جواں  
دیتا ہوا سناں کو چلا ہاتھ سے ٹکاں  
کس پر عیاں یہ کیفیت رنج و غم نہ تھی  
آمدشتی کی دشت میں مرحب سے کم نہ تھی

(۱۲۶)

ذاتِ یہی تو وجہ تھی جو شہ تھے مضحل  
اس غم سے قلبِ پاک پہ تھا رنجِ جانگسل  
درگاہِ حق میں کہتا تھا یہ بار بار دل  
تو اس کی رائڈ ماں سے نہ کرنا مجھے نجل  
اپنی مراد قلب پہ یہ کامیاب ہو  
ازرق پہ نورِ عینِ حسن فتح یاب ہو

(۱۲۷)

یاں لب پہ یہ دعا تھی، وہاں قاسم جری  
دکھلا رہے تھے ازرق شامی کو بگدھری  
کہتا تھا دمبدم یہ نہنگِ دلاوری  
دیکھ آج رن میں فاتحِ خیبر کی صفوری  
ظاہر اثر ہوں قسمتِ بد کی بگاڑ کے  
دو حصے ایک وار میں ہوں گے پہاڑ کے

(۱۲۸)

بھولا رجز بھی غیظ میں مکار و پُر دغا  
نیزے کا وار طیش میں غدار نے کیا  
ترچھا ہوا جو زینِ فرس پر یہ مہ لقا  
پہلو سے ان کے نیزہ خطی نکل گیا  
ہوتا تھا زیب تیغ کو وہ کام، جو کیا  
جب تک اُٹھے اُٹھے اُسے غازی نے دو کیا

(۱۲۹)

کہنے لگا یہ دل سے قلم جب ہوئی سناں  
پیشکِ وحیدِ عصر و جری ہے یہ نوجواں  
میں فتح اس پہ پاؤں یہ بیکار ہے گماں  
ماہر سپہ گری سے ہے شہزادہ زماں  
کھلتے ہی آنکھ غیظ میں آیا ہوا ہے یہ  
عباس سے جری کا بتایا ہوا ہے یہ

(۱۳۰)

دل سے یہ کہہ چکا جو وہ ملعون و بدگھر  
سینے میں مارے خوف کے تھرا گیا جگر  
باندھی نہ پر فرار پہ غدار نے کمر  
خود بھی جری جو تھا تو لیا گرزِ گاؤ سر  
طالع بگڑ گئیں ہیں نحوست سے بوم کے  
تولا لعین نے گرز رکابوں پہ جھوم کے

(۱۳۱)

فرق جری پہ اس نے دو دتی کیا جو وار  
بجلی کی طرح کوند گئی تیغِ آبدار  
سر تک ابھی نہ آیا تھا گرزِ ستم شعار  
فرقِ عمود کاٹ گئی تیغِ شعلہ بار  
شرمندہ وقتِ جنگ اجل تھی کئے ہوئے  
حیراں شقی تھا ہاتھ میں دستہ لئے ہوئے

(۱۳۲)

ازرق کو مسکرا کے یہ قاسم نے دی صدا  
غزا اسی کمال پہ تھا تجھ کو بے حیا  
ہم سے وغا کا ننگ تھا او بانی جفا  
بچے نے دی شکست ستگر یہ کیا ہوا  
تھی آرزو وغا کی شہِ مشرقین سے  
کیوں تو اسی کمال پہ لڑتا حسین سے؟

(۱۳۳)

یکتا سپہ گری میں ہے حیدر کا یادگار  
آئے گا جب وہ وقت تو دیکھیں گے نابکار  
غیظ ان کا ہوگا وقتِ وغا قہرِ کردگار  
کھل جائے گا ہر ایک پہ ہنگام گیر و دار  
تابِ مقاومت نہ ستمگار لائیں گے  
کوفہ کو رن سے بھاگ کے غدار جائیں گے

(۱۳۴)

جب یہ سنا تو اور بھی برہم ہوا شریر  
میدان دے کے گھوڑے کو جوڑا کماں میں تیر  
قد اس قدر جھکا کہ ہوا وقتِ جنگ پیر  
تو لے رہے یہ ہاتھ میں شمشیر بے نظیر  
ظالم نے یوں عیاں کیا دل کی امنگ کو  
چھوڑا نشانہ باندھ کے رن میں خدنگ کو

(۱۳۵)

نزدیک ان کے آگیا جب ناوک خطا  
کر آئی اک اشارے میں دو تیغ برق زرا  
وہ بھی کٹا حسام سے آیا جو دوسرا  
ترکش یوہیں تمام ستمگر کا ہو گیا  
قلبِ حزیں جدا نہ ہوا غم کے ساتھ سے  
پھینکا کماں کو خاک پہ جھلا کے ہاتھ سے

(۱۳۶)

آیا قریب پھر وہ جفاکار و کینہ جو  
کی عرض اب تو تیغ کی رکھتا ہوں آرزو  
یوں آپ کے کمال نے دل کر دیا لہو  
خود مجھ کو اپنی موت کی ہے آج جستجو  
میری وغا ہے شرم کے پہلو لئے ہوئے  
رن سے قدم نہ سر کے گاہے جاں دیئے ہوئے

(۱۳۷)

فرمایا ہنس کے آپ نے کیوں انفعال لے  
آتی ہے دم میں موت نہ دل پر ملال لے  
ارماں وغا میں تیغ زنی کا نکال لے  
میں منتظر ہوں قلب کو اپنے سنبھال لے  
پائے گا اور سے نہ اماں یوں عدو کوئی  
باقی دم وغا نہ رہے آرزو کوئی

(۱۳۸)

دم بھر ٹھہر کے میان سے ظالم نے لی حسام  
کچھ اور پاس آگیا ان کے وہ تیرہ فام  
گاٹھی انہوں نے بھی فرس تیز کی لجام  
بجلی کی طرح بن گیا اسپ سبک خرام  
سیاہ رن میں تھا صفت برق اگر نہ تھی  
ایسا تڑپ رہا تھا کہ تاب نظر نہ تھی

(۱۳۹)

کامل تھا فن تیغ زنی میں جو بد شعار  
آفت بپا تھی قہر تھے دونوں طرف کے وار  
وہ با خبر اگر تھا تو یہ بھی تھے ہو شیار  
جھکاریں تھیں حساموں کی گوشِ فلک کے پار  
اہل سما بھی ڈرتے تھے شعلوں کے لاگ سے  
دامن ملک بچاتے تھے، تیغوں کی آگ سے

(۱۴۰)

ہر وار پر دہلتا تھا میدانِ رزم گاہ  
تیغیں وہ چل رہی تھیں کہ اللہ کی پناہ  
گھوڑوں کی دوڑ دھوپ نے رن کر دیا سیاہ  
ظلمت وہ تھی کہ کام نہ کرتی تھی کچھ نگاہ  
دکھلائے چھپ کے اپنے ہنر ہر سوار نے  
اٹھ کر احاطہ کر لیا رن کے غبار نے

(۱۴۱)

یہ کیفیت ہوئی جو دمِ جنگ آشکار  
بڑھ آئے دیکھنے کے لئے اُس طرف سوار  
جھپٹے ادھر سے حضرتِ عباسِ نامدار  
آواز دی یہ آپ نے، قاسم! چچا نثار  
رخ کی نہاں غبار میں تنویر کیوں ہوئی  
ازرق کے قتل کرنے میں تاخیر کیوں ہوئی

(۱۴۲)

گھوڑا بڑھا کے گرد سے باہر نکل کے آؤ  
ظالم کے راہوار کو بیٹا دبا کے لاؤ  
چوٹیں جو اس کے پڑتی ہیں خالی نہ مسکراؤ  
قوت بڑھے گی غیظ میں تلوار کو لگاؤ  
نام اور دیر ہونے سے ہے نابکار کا  
اچھا نہیں اسد سے اُلجھنا شکار کا

(۱۴۳)

ڈر ڈر کے پیچھے ہٹنے سے ظاہر یہ کیا نہیں  
دل ہٹ گیا فرار پہ آمادہ ہے لعین  
میدانِ جنگ سے نہ نکل جائے یہ کہیں  
بس اب اُلٹ لو تھے سے کرتے کی آستیں

تیغ آئی زمینِ اسپ پہ دو کر کے ڈھال کو  
دے کر جھکائی قتل کرو بدخصال کو

(۱۴۴)

سنتے ہی اس صدا کے بڑھا اور بھی جلال  
ازرق سے بولا غیظ میں آکر حسن کا لال  
تاخیر واقعی ہوئی اس جنگ میں کمال  
کرتا ہوں اب میں وارِ خبردار، بدخصال

بالائے تیغ ہاتھ میں غدار ڈھال لے  
دل کی طرح سے خود کو سر پر سنبھال لے

(ساقی نامہ) (۱۴۵)

کیوں ساقیا کھلا درِ میخانہ یا نہیں  
مانندِ درد دل ہے یمِ غم میں تہہ نشیں  
امید، مئے کی طرح ہے کس شیشے میں مکیں  
چھیٹیں پڑیں نہ اڑ کے چڑھالے بس آستیں

ہم میکشوں کے پاس یہ جب تک نہ آئے گی  
شیشے میں خونِ دل کی طرح جوش کھائے گی

(۱۴۶)

پڑ جائے گر تری نظرِ گرم ساقیا  
جو چاہتا ہے قلب وہ حاصل ہو مدعا  
کر آج مجھ کو خوشہ انگور وہ عطا  
کھاؤں تو ہر عنب سے ملے مئے کا ذائقہ

دل میں سوا ولائے جنابِ امیر ہو  
دانوں میں جس کے بادہ خُمِ غدیر ہو

(۱۴۷)

مئے مہر داغِ دل سا جھلکتی ہوئی تو دے  
سرخِ خوں نہ ہو تو مہکتی ہوئی تو دے  
ساغر میں شکلِ شعلہ دکھتی ہوئے تو دے  
گر اور مئے نہ دے تو جھلکتی ہوئی تو دے

لبریز دے گا تو، تو دعا آج دوں گا میں  
یہ جام تیرے ہاتھ سے خالی نہ لوں گا میں

(۱۴۸)

کیوں ساقیا! تو دینے سے مئے کے ہے منفعل  
دے جام، تیری شرم سے ہوتا ہوں میں نخل  
کیفِ شرابِ ناب سے مملو ہو جامِ دل  
دو چار گھونٹ پی کے نہ ہو قلب مضطرب

دنیا کے غم کو بھولیں جو نشہ کا طور ہو  
دورِ جہاں کی طرح سے ساغر کا دور ہو

(۱۴۹)

وہ جام دے جو صرف میں لایا ہوا تو ہو  
گر کچھ نہ ہو تو لب سے لگایا ہوا تو ہو  
ساقی سلسبیل سے پایا ہوا تو ہو  
جنت سے تیری بزم میں آیا ہوا تو ہو

کوثر پہ جب میں جاؤں تو خود جان لوں اُسے  
ساغر پہ آنکھ پڑتے ہی پہچان لوں اُسے

(۱۵۰)

آنکھوں کی طرح رنگ بدلتا ہوا ہو جام  
جادوں کی طرح بزم میں چلتا ہوا ہو جام  
دو آتش جو مئے ہو تو جلتا ہوا ہو جام  
کھائے ہوئے ہو جوش اُبلتا ہوا ہو جام

قطرہ گرے تو قلب کی حسرت نکال لیں  
ہم قوتِ نظر سے اُسے بھی سنبھال لیں

(۱۵۱)

مئے پی کے میکدے سے چلا سوائے رزم گاہ  
دیکھا تو تیغ تول چکا ہے حسن کا ماہ  
ہیں منتظر کھڑے ہوئے عباس عرش جاہ  
تڑپی حسام پھر ہوا بجلی کا اشتباہ  
چھائی گھٹا الم کی دل کینہ خواہ پر  
کوندی وہ برق ڈھال کے روئے سیاہ پر

(۱۵۲)

بچنی سپر کو کاٹ کے جب مغز سر تک  
آگے بڑھی جبین سے تو آئی جگر تک  
دو صدر میں کیا دل بیدار گر تک  
سینے سے اک اشارے میں آئی کمر تک  
دو مرکب و سوار تھے جس دم نظر اٹھی  
رن کی زمیں سے زین فرس کاٹ کر اٹھی

(۱۵۳)

جب اس طرح سے ازرق شامی کو دو کیا  
تلوار رکھ کے دوش پہ جھوما وہ مہ لقا  
سب دیکھتے تھے حضرت عباس با وفا  
آواز دی بھتے کو شاباش و مرحبا  
جرات نہ کیوں ہو نور نظر کس ولی کے ہو  
یہ ضرب کہہ رہی ہے کہ پوتے علی کے ہو

(۱۵۳)

تعریف اپنی سن چکا جس دم وہ لالہ فام  
کی عرض یہ جری نے چچا سے پس سلام  
خادم کا دل بڑھاتے ہیں اے بازوئے امام  
صدقہ یہ آپ کا ہے جو ایسا لڑا غلام  
خادم حضور ہی کا سکھایا ہوا تو ہے  
جو کچھ ہے آپ کا بتایا ہوا تو ہے

(۱۵۵)

غم اب نہ دل پہ مہر کی تابش کا کھائیے  
ہے آفتاب ڈھال کو چہرے پہ لائیے  
بیتاب دل مرا ہے نہ تکلیف اٹھائیے  
شدت بہت ہے دھوپ کی خیمہ میں جائیے  
دل مضحل ہے دیکھ کے ایذا جناب کی  
اب اور بڑھ گئی ہے تپش آفتاب کی

(۱۵۶)

جب تک وغا میں محو تھا میں، تھا نہ کچھ خیال  
لیکن برا ہے آپ کے خادم کا اب تو حال  
شدت سے تشنگی کی ہوا جاتا ہوں نڈھال  
اب زیت ناگوار ہے اے شیر حق کے لال  
ثابت قدم جہاد میں رکھے خدا مجھے  
جینے کے بدلے موت کی دیجے دعا مجھے

(۱۵۷)

کچھ اس قدر ہے گرمی خورشید کا تعب  
آنکھوں میں میری روز وغا ہو گیا ہے شب  
کیونکر کہوں کہ شاہ سے پانی کی ہے طلب  
پاتا نہیں تری تو چباتا ہوں اپنے لب  
کب قلب بے قرار مرا مضحل نہیں  
اس پر بھی اے چچا کوئی تسکین دل نہیں

(۱۵۸)

کہتا ہوں گر امام دو عالم سے حال دل  
ڈر ہے کہ قحط آب میں مجھ سے نہ ہوں نخل  
کہتا ہوں قلب سے یہ کبھی ہو تو منفعل  
تجھ سے سوا ہے اصغر بے شیر مضحل  
آب فرات دیکھ اکیلے نہ جا کے پی  
پانی اگر ملے بھی تو اس کو پلا کے پی



(۱۵۹)

حالِ دل و جگر لبِ کوثر کہوں گا اب  
ایذائے تشنگی کا پڑا کس طرح تعب  
ہے باعثِ ملالِ جگر زیست کا سبب  
کچھ ایسا حالِ دل ہے کہ ہے موت کی طلب  
پنہاں نہیں رہا سببِ برہمی مرا  
اب اے چچا سلام ہے یہ آخری مرا

(۱۶۰)

یہ کہہ کے سوئے فوج چلا پھر وہ مہ لقا  
یاں تو اُسی طرح سے ہوا حشر پھر بپا  
دل ٹکڑے ان کا یوں سخنِ یاس نے کیا  
پلٹے عجیب حال سے عباسؑ با وفا  
دولہا کے غم میں جان کو کھوتے ہوئے گئے  
بھائی کے پاس خیمہ میں روتے ہوئے گئے

(۱۶۱)

یاں تو یہ قربِ شہ گئے اور واں وہ مہ لقا  
کرنے لگا سپاہ سے پھر دشت میں وغا  
پھر دامنِ حسام کی چلنے لگی ہوا  
پھر فوج میں بپا ہوا حملوں سے تہلکہ  
یہ معرکہ بھی پہلی لڑائی سے کم نہ تھا  
تینوں کی طرح جسم میں اعدا کے دم نہ تھا

(۱۶۲)

توڑا پرا اُدھر کا تو جھپٹے ادھر کبھی  
دو خود و سر کیا کبھی، کاٹی سپر کبھی  
دل سا کیا حسام نے ٹکڑے جگر کبھی  
کاٹا گلا کبھی تو جدا کی کمر کبھی  
اعدا سے زندگی ہی میں منہ پھیر لیتے تھے  
کیا وقتِ بد تھا ساتھ نہ اعضا بھی دیتے تھے

(۱۶۳)

ہے آخری جو دشت میں نوشاہ کی وغا  
تلوار کی بھی باڑھ کا انداز ہے جدا  
ڈر سے نظر ملا نہیں سکتے ہیں اشقیا  
ہو جاتے دو جو پہلے سے آتی کہیں قضا  
چھپتی تھی موت لاشوں میں، ڈر سے یہ حال تھا  
آتی جو زد پہ یہ بھی تو، بچنا محال تھا

(۱۶۴)

ہے واقعی خیال و تصور کا یہ مقام  
کس سن میں جنگ کرتا ہے شیر کا لالہ فام  
اور اس پہ یہ ستم کہ ہے دو دن سے تشنہ کام  
روشن کن آفتوں میں بڑوں کا کیا ہے نام  
یاں پر کسی شجاع کی جرأت سند نہیں  
ہنگامِ جنگ ان کی دلیری کی حد نہیں

(۱۶۵)

گذرا نہیں یہ ظلم نگاہوں سے تا بہ حال  
جو تھے بڑے شجاع انہیں بھی تھا یہ خیال  
لاکھوں سے لڑنا جنگ میں سمجھا کئے محال  
بس انتہا ہے ایک کرے سو سے گر جدال  
رستم کی طرح وقتِ وغا سور ہو گیا  
جو اس طرح لڑا وہی مشہور ہو گیا

(۱۶۶)

اس سن میں ان پہ وقتِ وغا ہے ہجومِ عام  
ایسا جری نہ ہوتا حسن کا جو لالہ فام  
کیا احتیاجِ گرز و سناں، ناوک و حسام  
کافی تھا رن میں اک تنِ تنہا پہ اژدہام  
لاتے نہ تاب جنگ کی یاں پر دلیر بھی  
ہو جاتا قید ایسی جگہ آ کے شیر بھی

(۱۶۷)

بس ختم ہے علیٰ کے گھرانے پہ یہ وغا  
ایسا شجاع و شیر ہوا ہے نہ ہوئے گا  
برپا ہے اس ہجوم میں فریاد کی صدا  
روکو حسام دشت میں اب بہرِ مصطفیٰ  
تیغِ جری سے امن و اماں کی نہ جا ملے  
کرتے ہیں توبہ اپنے کئے کی سزا ملے

(۱۶۸)

کانوں تک آیا دشت میں جب مصطفیٰ کا نام  
پڑھ کر درودِ تھم گیا شبر کا لالہ فام  
اب کیا تھامل کے ٹوٹ پڑے ساکنانِ شام  
سہرا جہاں تھا پڑنے لگی اس جگہ حسام  
آ کر عروسِ موت کئی بار رو گئی  
دولہا کے سر کے خوں سے قبا سرخ ہو گئی

(۱۶۹)

گرز ایک کا پڑا تو پڑا ایک کا تبر  
زخمی کسی سناں نے کیا سینے میں جگر  
سر کے لہو کے بہنے سے کم ہو گئی نظر  
آیا زمانہ شیب کا خم ہو گئی کمر  
انبوہ دیکھ کر قدمِ اسپ رک گئے  
ہاتھوں سے سر پکڑ کے یہ گھوڑے پہ جھک گئے

(۱۷۰)

لیکن یہ دمدم لبِ نازک پہ تھی صدا  
کیوں کیا اماں کے دینے کا ہوتا ہے یہ صلہ  
وہ کون سی خطا ہے کہ جس کی ہے یہ سزا  
بدلا یہ مجھ سے لیتے ہو ازرق کے خون کا  
اک جسمِ ناتواں پہ یرش کل جہاں کی ہے  
مجھ سے کہو تو کچھ، یہ عداوت کہاں کی ہے

(۱۷۱)

ہوتی تھی اس سوال پہ برچھی جگر کے پار  
دیکھا کسی کو گر تو پڑی تیغِ آبدار  
طالب ہوئے مدد کے تو پہلو ہوئے فگار  
گر آہ کی تو دل پہ چلے ناوکوں کے وار  
نالوں کا قلبِ فوج پہ اُلٹا اثر پڑا  
سر میں ہوا جو درد تو آکر تبر پڑا

(۱۷۲)

جاری تھا زینِ اسپ پہ دولہا کے سر سے خوں  
آتا تھا آنسوؤں کی طرح چشمِ تر سے خوں  
تھا جوش میں یہ تشنہ لبی کے اثر سے خوں  
جلتا ہوا نکلتا تھا قلب و جگر سے خوں  
زائد ترقیاں ہوئیں اندوہ و یاس کی  
تکلیف اور بڑھ گئی زخمی کو پیاس کی

(۱۷۳)

خوں جس قدر بہا ہوئے اُتنے ہی یہ نڈھال  
ضعفِ جگر سے سر کا اٹھانا ہوا محال  
کم طاقتی سے قوتِ دل کا ہوا زوال  
چین اس پہ بھی نہ لیتی تھی افواجِ بدخصال  
ارماں نکل گئے سپہ بد شعار کے  
زیں سے گرایا خاک پہ نیزوں کو مار کے

(۱۷۴)

یاں تو حسن کا حالتِ غش میں گرا پسر  
واں ان کی ماں کے دل کو ہوئی خود بخود خبر  
یہ کہتی آئی تا درِ خیمہ وہ نوحہ گر  
بیٹھے ہوئے کدھر ہیں شہنشاہِ بحر و بر  
آقا کمائی آپ کے بھائی کی لٹ گئی  
ماں اپنے ایک رات کے بیاہے سے چھٹ گئی

(۱۷۵)

بڑھ کر ملاحظہ ہو پُر ارماں کا حالِ زار  
بے وجہ دل نہیں مرا سینے میں بے قرار  
منہ تک کلیجہ آتا ہے اس وقت بار بار  
تھمتا نہیں ہے آنکھ سے اب آنسوؤں کا تار  
ہر سو دکھائی دیتا ہے تاریک گھر مجھے  
دیتا ہے قلبِ زار برابر خبر مجھے

(۱۷۶)

تھا یہ بیاں جو آئی یہ عباسؑ کی صدا  
مقتل میں جلدی آئیے اے شاہِ کربلا  
گھوڑے سے رن میں گر پڑا اک رات کا بنا  
یہ سنتے ہی تڑپ گئے سلطانِ نینوا  
غم یوں ہوا کہ زیت کا نقشہ بگڑ گیا  
اک اور داغِ شہ کے کلیجے پہ پڑ گیا

(۱۷۷)

اُٹھے زمیں سے خسرو دیں بھر کے ایک آہ  
تھاما پسر کا ہاتھ ہوئے ایسے کم نگاہ  
طے بسملوں کی طرح سے کی شہ نے اتنی راہ  
دولہا کو تھی چھپائے ہوئے جس طرف سپاہ  
مطلب یہ رن میں تھا سپہ کینہ خواہ کا  
لاشہ نہ دو حسینؑ کو شبرؑ کے ماہ کا

(۱۷۸)

دل پر غمِ جدائی اُٹھایا کریں حسینؑ  
ہر سمت ڈھونڈتے ہوئے جایا کریں حسینؑ  
آرام ایک دم بھی نہ پایا کریں حسینؑ  
خواہش یہ تھی کہ ٹھو کریں کھایا کریں حسینؑ  
لطفِ جفا نہیں جو جگر شہ کا خوں نہ ہو  
مطلب یہ تھا دکھ ہوئے دل کو سکوں نہ ہو

(۱۷۹)

یاں لب پہ یہ بیاں تھا کہ اے ساکنانِ شام  
اب کیوں جفا ہے گر چکا زیں سے وہ لالہ فام  
جی بھر کے خوب لے چکے ازرق کا انتقام  
لڑتے تھے جس سے اس کی ہوئی زندگی تمام  
حسرت یہ ہے کہ پہنچوں تنِ پاش پاش تک  
آنے دو مجھ غریب کو دولہا کی لاش تک

(۱۸۰)

میت پہ اپنے لال کی آؤں جو تم کہو  
اس غم میں لب تک آہ کو لاؤں جو تم کہو  
دولہا کو لے کے دشت سے جاؤں جو تم کہو  
حسرت بھرے کی لاش اُٹھاؤں جو تم کہو  
ہم دور ہوں، جہاں سے وہ منہ موڑتا رہے  
کب تک زمینِ گرم پہ دم توڑتا رہے

(۱۸۱)

اس کہنے پر بھی جب نہ ہٹا لشکرِ وفا  
تلوار لے کے جا پڑے عباسؑ با وفا  
اک وار ہی میں غیظ سے محشر ہوا بپا  
گھوڑے بڑھا کے بھاگے سوارانِ پُر جفا  
اس تہلکے سے دشت میں یہ حال ہو گیا  
دولہا سموں سے گھوڑوں کے پامال ہو گیا

(۱۸۲)

پسپا ہوئی جو فوج تو دیکھا یہ حال زار  
جلتی زمیں پہ ہچکیاں لیتے ہیں بار بار  
نکلے ہے جسم ماتھے کا سہرا ہے تار تار  
ہے اشک خوں سے رن میں ہر اک پھول اشکبار  
پڑمرده لب کی طرح ہے پھولوں کا ہار بھی  
ان کی طرح تمام ہے گل کی بہار بھی

(۱۸۳)

آہستہ ضعف دل سے یہ کہتا ہے وہ قمر  
دوں کس طرح صدا کہ لہو ہیں دل و جگر  
نا طاقی سے دہر میں مجبور ہے بشر  
دے کون امام دیں کو مرے قتل کی خبر  
دوری کا رنج، قلب مسافر کا سہ نہ جائے  
آنکھیں قدم پہ ملنے کا ارمان رہ نہ جائے

(۱۸۴)

کہتے ہیں موت سے یہ کبھی ہو کے بے قرار  
دم بھر ٹھہر کہ ہے شہ والا کا انتظار  
دے کوچ کی خبر نہ ابھی کرب احتضار  
جب تک نہ آلیں پاس مرے شاہ نامدار  
گر ہجر ہی رہا تو نہ کم ہوگا غم مرا  
مشکل سے خاک گرم پہ نکلے گا دم مرا

(۱۸۵)

کانوں تک آئی سروں دیں کی جو یہ صدا  
میت گلے لگا کے یہ شبیر نے کہا  
کیا کہہ رہے ہو غش میں، چچا تم پہ ہو فدا  
کھولو تو آنکھیں قلب کا بر آیا مدعا  
گھر میرا اُجڑا، موت کا اے لال کیا گیا  
بالیں پہ جس کو ڈھونڈ رہے تھے وہ آ گیا

(۱۸۶)

پایا زمین گرم پہ اے مہ لقا تمہیں  
رن میں نہ جلدی آنے کا ہوگا گلہ تمہیں  
کیوں کرب احتضار کا غم تھا سوا تمہیں  
ہم جب تلک نہ آتے نہ آتی قضا تمہیں  
لب تک مرا جگر دم فریاد آ گیا  
لو اب تو خوش ہوئے کہ یہ ناشاد آ گیا

(۱۸۷)

تم مضطرب جو ہو تو سوا ہے مرا بھی غم  
دل پر مفارقت کا نہ بس اب کرو الم  
چہرے پہ ڈھل کے آئیں ہیں کیوں اشک چشمِ غم  
آغوش میں چچا کے بصد شوق توڑو دم  
تڑپاتے جاؤ قلب، قریب سفر مرا  
لو ہچکیاں تم، آئے لبوں تک جگر مرا

(۱۸۸)

ہشیار اس بیاں سے ہوا کچھ وہ لالہ فام  
حسرت سے آنکھیں کھول کے دیکھا رخِ امام  
کچھ اس طرح خفیف صدا سے کیا کلام  
بالیں پہ جس کو سمجھے بہ مشکل شہِ انام  
مسرور طبع تا نفس چند ہو گئے  
پھر چشمِ نیم باز جری بند ہو گئے

(۱۸۹)

بے ہوش جب ہوئے تھے تو تھی لب پہ یہ صدا  
اک آرزو میں رکھتا ہوں اے شاہِ کربلا  
خیمہ میں لاش لے کے جو جائیں شہِ ہدا  
پہلے سے ڈال دیجیئے گا جسم پر ردا  
آگاہ اس سے دشت میں شاہِ غیور ہیں  
ٹاپوں سے میرے عضو بدن چور ہیں

(۱۹۰)

اس کیفیت کا قلب پہ ظاہر اثر نہ ہو  
آگاہ اس سے گھر میں کوئی نوحہ گر نہ ہو  
ظاہر یہ حال اے شہِ جن و بشر نہ ہو  
اماں کو پائمالی تن کی خبر نہ ہو  
خوں جسم کا ملال و مصیبت سے گھٹ نہ جائے  
دل ان کا میرے زخم کی مانند پھٹ نہ جائے

(۱۹۱)

روئے یہ سن کے دشت میں شاہنہ زماں  
تڑپے جگر کو تھام کے عباسؑ نوجواں  
ضعف اس قدر بڑھا جو ہوا اور خوں رواں  
ہچکی بھی ناتوانی دل سے ہوئی گراں  
قلبِ امامؑ دیں ہمہ تن درد ہو گیا  
نکلی جو روح سینے سے منہ زرد ہو گیا

(۱۹۲)

منہ رکھ کے منہ پہ کہنے لگے شاہؑ کربلا  
بیٹا چچا نثار ہو، کیسا یہ غم دیا  
ارمان میرے دیکھنے کا دل کو تھا بڑا  
اب آرزو نکل گئی اے میرے منہ لقا  
کیا جلد ظلم موت سے صورت بدل گئی  
پاؤں پہ سر کے رکھنے کی حسرت نکل گئی

(۱۹۳)

اٹھو زمینِ گرم سے قاسمؑ! چچا نثار  
تم بے خبر جو سوتے ہو ہے قلب بے قرار  
رن سے ہمارے ساتھ چلو ہو کے ہوشیار  
ہوگا تمہارا دیر سے بھابھی کو انتظار  
مانع نہ ہوں گا دشت میں خیمہ سے جا کے آؤ  
اچھا یہی خوشی ہے تو صورت دکھا کے آؤ

(۱۹۴)

جب حد کے بے قرار ہوئے شاہؑ دیں پناہ  
عباسؑ نے یہ عرض کی سینے سے بھر کے آہ  
اللہ چلے خیمہ میں اے شاہؑ عرش جاہ  
سیدانیوں کا ہوئے گا حال اور بھی تباہ  
خیمہ میں چلے لے کے تنِ پاش پاش کو  
ماں نامراد دیکھ لے دولہا کی لاش کو

(۱۹۵)

رقت کو ضبط کر کے یہ بولے شر ہڈا  
ہے چور چور تیغوں سے اک رات کا بنا  
چادر میں رکھ کے لاش کے ٹکڑوں کو میں فدا  
میت اٹھا کے لے چلو اے میرے منہ لقا  
منہ آنسوؤں سے غم میں بھگوتے ہوئے چلیں  
ہم پیچھے پیچھے لاش کے روتے ہوئے چلیں

(۱۹۶)

یہ سن کے روئے اکبرؑ و عباسؑ نامدار  
رکھ کر ردا میں لاش ہوئے حد کے بے قرار  
میت اٹھائی دشتِ ستم سے بحالِ زار  
یوں رن سے گھر میں جاتا ہے شہرؑ کا یادگار  
ارماں عجیب طرح سے دل کے نکالے ہیں  
عباسؑ سر، کمر علی اکبرؑ سنبھالے ہیں

(۱۹۷)

یوں لاش لے کے آئے جو خیمہ میں شاہؑ دیں  
در پر کھڑے تھے یاں حرم ختمِ مرسلینؑ  
دیکھی یہ کیفیت تو ہر اک دل ہوا حزیں  
سیدانیوں کے بین سے ہلنے لگی زمیں  
مسند پہ لاش رکھ کے شرؑ دیں جو ہٹ گئے  
دولہا کی ماں کے قلب و جگر غم سے پھٹ گئے

(۱۹۸)

چادر ہٹا کے پہلے تو دیکھا رخِ پسر  
کہنے لگی یہ پیٹ کے سر پھر وہ نوحہ گر  
ہے ہے تمہارے بیاہ پہ کس کی لگی نظر  
شب کی دولہن کو چھوڑ کے وارے کیا سفر  
تم نے تو طے جناں کی زمانے سے راہ کی  
ماں صدقہ، کون شکل ہے اس کے نباہ کی

(۱۹۹)

چھوڑا بنی کو دشت میں اے مجتبیٰ کے جائے  
 دولہا کو اپنے ڈھونڈھ کے ماں اب کہاں سے لائے  
 دنیا سے اتنا جلد کیا کوچ ہائے ہائے  
 سہرے کے پھول اچھی طرح سوکھنے نہ پائے  
 نکبت میں گل کے آج اثر خوں کی بو کے ہیں  
 بدھی کے پھول جسم میں قطرے لہو کے ہیں

(۲۰۰)

اے رانڈ ماں کے پوچھنے والے ترے نثار  
 بند آنکھ تو کئے ہے، تو ہے قلب بے قرار  
 اللہ کتنا ہے مری جاں نیند کا خمار  
 ہوتے نہیں ہو میرے جگانے سے ہوشیار  
 گر چپ رہو گے تم تو بڑھے گا الم مرا  
 لو منہ سے کچھ کہو کہ اُلجھتا ہے دم مرا

(۲۰۱)

بتلاؤ ماں کو تم نے کدھر کا کیا سفر  
 آنکھیں لہو میں ڈوبی ہیں چہرہ ہے خوں سے تر  
 گریز گراں سے ٹکڑے ہوا استخوانِ سر  
 ہیں پاش پاش نوکِ سناں سے دل و جگر  
 رن سے سواری یوں مرے بچے کی آئی ہے  
 ماں کو عجیب حال سے صورت دکھائی ہے

(۲۰۲)

دیکھو تو آنکھیں کھول کے، ماں صدقے، اپنا حال  
 بکھرے ہوئے ہیں چاند سے چہرے پہ سر کے بال  
 کنگھی کرو تو جائے مرے قلب کا ملال  
 مٹی مری خراب ہوئی اے حسن کے لال  
 واری جو تم نہیں تو ہمارا کوئی نہیں  
 دنیا میں رانڈ ماں کا سہارا کوئی نہیں

(۲۰۳)

میدیاں میں نام اپنے بزرگوں کا کر کے آئے  
 سر کے لہو سے چاند سی صورت کو بھر کے آئے  
 آئے بھی گھر میں تم تو جہاں سے گذر کے آئے  
 قاسم میں کس طرح سے کہوں یہ کہ مر کے آئے  
 مجھ سے مصر تھے رن کی اجازت کے واسطے  
 گھر میں ابھی تو آئے تھے رخصت کے واسطے

(۲۰۴)

پھرتی ہے شکل چاند سی، آنکھوں میں، میں فدا  
 دم بھر میں کیا سے کیا ہوا اے میرے مہ لقا  
 سمجھی نہ وقتِ عقد یہ ماں غم کی بتلا  
 سہرا بندھا ہے جس پہ اسی سر پہ ہے قضا  
 اپنی کمائی صبح کو ہاتھوں سے کھوؤں گی  
 میں یہ نہ جانتی تھی کہ دولہا کو روؤں گی

(۲۰۵)

پُر درد تھا یہ مادرِ نوشاہ کا بیاں  
 اس حد پہ دل تپاں تھا کہ روتی تھیں پییاں  
 دو سمت حشر خیمہ حضرت میں تھا عیاں  
 اک ان کے قربِ لاش اور اک تھی دولہن جہاں  
 ہر آہ غم فلک کا کلیجہ دکھاتی تھی  
 آواز دونوں سمت سے رونے کی آتی تھی

(۲۰۶)

کچھ اس طرف تھیں جمع تو کچھ پییاں اُدھر  
 دولہا کی ماں تھیں لاش پہ قاسم کی نوحہ گر  
 جگہ میں ماں دولہن کی اُدھر پیٹتی تھی سر  
 چلا رہی تھی ہاتھ سے تھامے ہوئے جگر  
 بیدار قسمتیں جو ہماری تھیں سو گئیں  
 ماں صدقے اتنی عمر میں تم رانڈ ہو گئیں

☐

کیا سخت سختِ شوم نے بچے کو دن دکھائے  
دولہا شہید ہو گیا کیوں غم نہ دل پہ کھائے  
کچھ منہ سے بھی تو کہہ نہیں سکتی یہ ہائے ہائے  
دل یر جو گزری تا یہ زباں کس طرح سے لائے

(۲۰۸)

(۲۰۹)

(۲۱۰)

ذٰخِرٌ بَسْ اَبِیَّانَ نہ کر حالِ رنج و غم  
اہلِ عزا تڑپتے ہیں بس روک لے قلم  
درگاہِ حق میں عرض یہ کر رو کے دم بدم  
یا رب بحق سرور و سلطانِ ذی حشم  
نعمت یہ اپنی سر سے مرے کم نہ کیجیو  
صحت جنابِ قبلہ و کعبہ کو دیجیو

یہ اس لئے کہ حسینؑ کی داستان انسانی سر بلندی اور سر  
فرازی کی داستان ہے۔ اس لئے انسانی شرافت کا مقام بہت  
بلند ہے۔ کہ اس میں انسانیت کو پستی سے اٹھایا گیا ہے۔ اور  
اسے ارتقا کی چوٹی پر پہنچایا گیا ہے۔ اس میں غلامی سے انکار  
اور آزادی کے تقاضے کے خیر مقدم کی بہترین مثال ہے۔ اس  
میں انسان کی انسان پر حکومت سے بیزاری اور خدا کی  
بادشاہت کا اعلان ہے۔ یہ ایک بے نظیر حکیمانہ پیام ہے کہ ہر  
حال میں جیئے جانے کا نام ہی زندگی ہے بلکہ  
سے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں سے زندگی

**قطعه**

عالیجناب سید بختیار حسین صاحب جو ہر بہرائچی  
چشمہٴ جود و سخا نور الہی شہیر  
عزم کا سلسلہ لا متناہی شہیر  
ہمتیں ہوتی ہیں بڑھ بڑھ کے تصدق جوہر  
زیر شمشیر جو لیتا ہے جمائی شہیر

**قطعه**

انیس العصر سید ابن الحسین مہدی نظمی اجتہادی

آب لب شمشیرِ یمِ آب بقا ہے  
لہروں میں پھریرے کی رواں جوئے وفا ہے  
ٹھک ٹھک کے سرِ آب، وفادار کا پرچم  
یانی میں مشیت کی نظر دیکھ رہا ہے